ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.8 No.2 2024

# اردو ادب پر خفقانی حقیقت نگاری کے اثرات کا مطالعہ

# Impact of Hallucinatory Realism on Urdu Literature

**Dr Tanveer ul Islam**
Punjab Highway Petrol,District Chiniot
**Dr Abdul Aziz Malik**
Assistant Professor, Department of Urdu,GC University Faisalabad
**Dr Sumaira Akbar** (Corresponding Author)
Assistant Professor, Department of Urdu,GC University Faisalabad

ABSTRACT: Urdu language is a vast and living language which has been absorbing various new theories from the beginning. In 2012, the Chinese fiction writer Mo-yan introduced his literary narrative technique Hallucinatory Realism to the world scene and won the Nobel Prize.He merges the Folk tales,history and contemporarymyth. The effects of this technique in Urdu literature exist before the introduction of this technique. In this article, Urdu literature has been studied in the context of this technique.we reviewed the Urdu Poetry and fiction in above mentioned technique's perspective. Urdu language has many poets and fiction writers who has been adopting various tools of this narrative technique inadvertently.

KEYWORDS: Social Realism , Basics, Defination, Background, Urdu literature, Criticism, Progressive, Symbolism, Imagism, Hallucination , Mo-yan .Narrative technique

خفقانی حقیقت نگاری(Hallucinatory Realism) جیسا کہ نام سے ظاہر ہے کہ اس میں عدم موجود کے موجود ہونے کا یقین پیدا ہوتا ہے۔ بیسویں صدی کے آخر میں ادب اور بصری فنون(Visual Arts) میں یہ تکنیک ادبی منظر نامہ پر ابھر کر سامنے آئی۔ یہ بیانیہ کی پیشکش کا نیا اور منفرد انداز ہے۔ اس تکنیک کو چینی ادیب مویان نے ۲۰۱۲ میں استعمال کیا جس پر اسے ادب کا نوبل انعام دیا گیا۔ خفقان (Hallucination) اور حقیقت نگاری(Realism) کی الگ الگ تفہیم سے اس تکنیک کا مکمل ادراک نہیں ہو پائے گا۔ البتہ کسی حد تک خفقان اپنے معنوں میں مستعمل ہے۔ خفقان کو سمجھنے کے لیے اس کی تعریف کا ادراک ہونا ضروری ہے؛

> ”خفقان / واہمہ (Hallucination) کسی بیرونی دنیا کے ذریعے کے بغیر حِسّی تخیل کا نام ہے۔ انگریزی لفظ Hallucination لاطینی لفظ (Hallucinari) سے ماخوذ ہے جس کا مطلب ہے”Wander in the mind“یعنی دماغ میں چلنا / گھومنا، خفقان کسی بھی حس کو متاثر کر سکتا ہے۔“(۱)

خفقان بلا محرک کے ایک تاثر ہے۔ جب کہ حقیقی خفقان کے ساتھ فرد تجربے کی حقیقت کا قائل ہوتا ہے۔ ایک حقیقی فریب کو اس سے الگ کیا جانا چاہیے۔ اس میں فرد کو نہ صرف تخیلی ادراک ہوتا ہے بلکہ اس کو حسی تجربہ بھی ہوتا ہے۔

(The experience of seeming to see something that is not really there."(2"

یہ مابعد جدید صورت حال کی پیداوار ہیں اور اس میں ناموجود کے موجود ہونے کا یقین پایا جاتا ہے یہ ایک ادبی تکنیک ہے جس میں بیانیہ کو ایک منفرد انداز میں پیش کیا جاتا ہے اس میں قاری یقین کے ساتھ ناموجود شے کے موجود ہونے کو مانتا ہے۔ خفقانی حقیقت نگاری کی اصطلاح کو 1970ء میں مختلف نقادوں نے تخلیقات کی تعبیر و تشریح کے لیے اور متعدد تعریفوں کے ساتھ بیان کیا یہ بیانیہ کی تکنیک خواب ناک حالت سے مخصوص ہونے کے ساتھ ساتھ جادوئی حقیقت نگاری Magical Realism سے بھی انسلاک رکھتی ہے۔

1970ء میں آئرش کینڈین ناول نگار برین مور (Brain More) نے اپنے ناول (Fergus) میں خفقانی حقیقت نگاری کی تکنیک کو استعمال کیا، 1975 میں کلیمنز ہیزل ہاس (Clemens Haselhaus) نے "Annete Von Droste Hulshoff" کی شاعری کی وضاحت کے لیے، ۱۹۸۱ء میں (Oxford Companion to twentienth century Art) میں خفقانی حقیقت نگاری کو سرئیلزم کے ایک دھارے کے طور پر مانا گیا۔ ماریا کزیٹو "Maria Kazito" کا ڈرامہ جو روانڈا کی نسل کشی کے تناظر میں ایرک ایہن (Erik Ehn) نے لکھا۔ کیون بیکر (Kevin Baker) کا ناول "Paradise Alley" پیٹر کیری (Peter Cary) کا ناول "My life as a fake" اور فلموں میں "Gospel According to st Mattew" جو کہ پیسولینی نے جب کہ 1978ء میں (Padd Chayefsky) کے ناول "Altered states" کی بنیاد پر بننے والی 1980ء میں فلم (Altered States)، امریکہ میں رابرٹ الٹمین (Petert Altman) نے The player کے نام سے فلم بنائی جو خفقانی حقیقت نگاری کی عمدہ مثالیں ہیں۔

مویان (Mo yan) نے ادب کا نوبل انعام 11 اکتوبر 2012ء کو جیتا اور اس کے فن پاروں میں اہم خصوصیت لوک کہانیاں، تاریخیت اور عصریت کا یکجا ہونا ہے اور ان تمام چیزوں کو بیان کرنے کے لیے خفقانی حقیقت نگاری کو استعمال کیا گیا۔ اس تکنیک کے ادبی ٹولز میں اساطیر، سیاسی نقد، میٹا فکشن، خواب ناک صورت حال، ناموجود کے موجود ہونے یقین، حقیقی دنیا کی سیٹنگ، پراسراریت، آواگون کا نظریہ، انضمام کی انفرادیت، مابعد جدید پہلو اور تاریخی شعور کے ساتھ روایت و عصریت موجود ہوتی ہے۔

اردو ادب میں عبدالحلیم شرر کا ناول "فردوس بریں" اس تکنیک کا حامل ہے اس میں علی وجودی کا کردار اور پھر برگ حشیش کے بعد خیالی جنت کا نظر آنا Pathogenic Hallucination ک کی عمدہ مثال ہے۔ اس ناول میں گرچہ فرقہ باطنیہ کے ایک افسانوی کردار حسن بن صباح کا تذکرہ ہے جو کہ بذات خود کوئی تاریخی حقیقت نہیں رکھتا البتہ تاریخی تناظر میں ایک افسانوی و اسراریت سے بھرپور کردار تخلیق کرکے شرر نے ناموجود کے موجود ہونے کا یقین قاری کے اندر پیدا کیا ہے۔ زیر بحث تکنیک کے مزید اثرات کو اگر کھوجنے کا عمل سرانجام دیا جایے تو اردو ادب میں اس کے اثرات بدرجہ اتم موجود ہیں۔ قرۃ العین حیدر کا شاہکار ناول "آگ کا دریا" جس میں ہندی اساطیر و عقائد میں آواگون کے نظریہ کو سمویا گیا ہے اور چمپا کے کردار کو چار جنموں کا سفر کرایا ہے۔ پہلے جنم میں وہ وزیرزادی، دوسرے میں ایودھیا کے پنڈت کی بہن، تیسرے میں اودھ کی ذہین و فطین اور شاطر طوائف کے روپ میں نظر آتی ہے جس کو صاحب ثروت افراد کا حلقہ میسر آنے کے باوجود دت لڑکے گوتم نیلمبر سے عشق ہوتا ہے اور آخری جنم میں چمپا احمد کے روپ میں جو اپنے دور کے گوتم نیلمبر سے عشق کرتی ہے۔ چمپا کا نام اڑھائی ہزار سالہ تاریخ میں تھوڑی بہت تبدیلی کے ساتھ وہی رہتا ہے اور اتنے بڑے تاریخی عرصہ کو سنبھال کر اپنی تخلیق میں لانا ہر لکھاری کے بس کی بات نہیں اور قرۃ العین حیدر نے نہ صرف ہندوستان کی سیاسی و ثقافتی تاریخ سے گہری واقفیت رکھتی ہیں بلکہ فکشن میں اس تاریخ کو ایک پس

منظر کے طور پر بھی بروئے کار لائی ہیں اور یہ سلیقہ فقط ان ہی کو ہی زیبا ہے۔ متنوع ثقافتی نظایر رابندر ناتھ ٹیگور اور دیگر ادیبوں کی تخلیقات میں موجود ہیں لیکن اس ناول میں نظریاتی بنت، ثقافتی و تاریخی پس منظر اور حقیقی دنیا کی سیٹنگ خفقانی حقیقت نگاری جیسی تکنیک کی طرح ہی ہے۔

خفقانی حقیقت نگاری کے عناصر کے حامل اردو ادب میں ویسے تو کئی ناول ہیں لیکن اس ضمن میں مرزا اطہر بیگ کے ناولوں میں "غلام باغ" اور "صفر سے ایک تک" بطورِ خاص قابل ذکر ہیں۔ "غلام باغ" مرزا اطہر بیگ کا ایسا ناول ہے جس کو ماضی سے اکیسویں صدی میں داخل کر کے مذکورہ تکنیک کے عناصر کا استعمال کیا گیا ہے۔ اس ناول میں خفقانی حقیقت نگاری کی طرح مبہم فضا اور فلسفہء زمان و مکاں اور نظریہ اضافت کا بیان ہوا ہے اس کے علاوہ سیاسی و معاشی جبر کا منفرد اور علامتی انداز میں نقشہ کھینچا گیا ہے۔ اس ناول میں اجتماعی و تہذیبی لاشعور سے انفرادی لاشعوری میں جو غلبہ حاصل کرنے کی جبلت ہے اس کے کئی زاویوں کو بیان کیا گیا ہے۔ ثریا، یاور عطائی، اور ہوس پرست ٹولہ مغلوب شکاری کی تلاش میں ہیں۔ ارزل اساطیر کے ضمن میں سامراجی و استعماری اور استبدادی نظریہ کا غلبہ، کمزور اور طاقتور کے درمیان بقا کے لیے کشمکش دراصل ایک جدلیاتی پہلو کا بیان ہے۔ غلام باغ کے کرداروں میں کبیر، ڈاکٹر ناصر، مدد علی، یاور عطائی اور زہرہ ہاف مین وغیرہ مخصوص ثقافتی شعور، جنیاتی تسلسل، سیاسی کشمکش کے ساتھ ساتھ داخلی تانے بانے لیے ہوئے ہیں۔ اس میں جدیدیت و مابعد جدیدیت کا عمدہ امتزاج ہے۔ اس ناول میں انسان بعید از حقیت، زمان و مکان سے پرے، نہ نظر آنے والے غیر حقیقی، پُرخطر تخیلی سفر پر نکلتا ہے۔ انتشار کی فضا ذہن کو محبوس کیے ہوئے اور بامعنی ہذیان اور لایعنیت سے بھرپور داستان ہے۔ ننگے افلاطون کے ضمن میں مصنف نے پس پردہ اس فطرت کو واضح کیا ہے جو انسان کو توہم پرستی و جہالت پہ قائم رکھتی ہے۔ اسراریت، ابہام اور اساطیر کی ایک گہری دھند چھائی ہوئی۔ یہ ناول اپنے اندر اساطیر، تاریخی شعور، مقامیت کو عصریت کے تناظر میں مدغم کر کے ایک طرح سے خفقانی حقیقت نگاری کے تمام عناصر اپنے اندر سموئے ہوئے ہے اور اسی عدم موجود صورتِ حال کو اس طرح پیش کرتی ہے کہ قاری اس پر یقین کیے بغیر نہیں رہ سکتا۔

اسی طرح اردو افسانہ کی روایت کھنگالنے سے ابتدا سے جدید دور تک کئی افسانے ایسے ملیں گے جو اس تکنیک سے بھرپور ہیں۔ سید سجاد حیدر یلدرم کے افسانوں مین 'آسیب الفت "بزم رفتگان اور خیالستان کا پہلا افسانہ "گلستان، خارستان اور شیرازہ" اس تکنیک حامل افسانہ ہے۔ ان کا افسانہ "بزمِ رفتگاں" خفقانی حقیقت نگاری کے اکثر آلات اپنے اندر سموے ہوے ہے۔ اس میں ایک لڑکی اسکندریہ کے عجائب گھر جاتی ہے جہاں مصر کے مومیائی مجسموں کو تحیر و استعجاب سے مشاہدہ کرتی ہے اسی استغراق کی حالت میں تاریخی غلام گردشیں میں پہنچ کر اس کے تخیل میں عجیب نقوش ابھرتے ہیں۔ ان مومیائی مجسموں کے بکسوں میں قدیم لاشوں کے چہروں سے ٹپکنے والا رعب و دبدبہ، پریشانی و اضطراب کا بغور مشاہدہ کرتی ہے تو ان کی موت کے اسباب جاننے کا تجسس ابھرتا ہے۔ دریں اثنا میں صندوقوں میں مقید لاشوں میں جنبش ہوتی ہے اور ایک عورت کی لاش کی آنکھوں میں دوستانہ و مشفقانہ مسکراہٹ ابھرتی ہے۔ جو اپنا احوال سناتی ہے کہ اس کا ماموں حاکم اسکندریہ تھا اور اس کے حسن کے چرچے سن کر اور اس کی خواہش دل میں جاگزیں کر کے آخر کار کئی افراد نے یاسیت میں موت کو گلے لگایا اور آخر میں ایک غلام لڑکا شہنشاہ کے پاس آتا ہے جس سے وہ عشق کر بیٹھتی ہے لیکن وہ لڑکا کسی اور سے عشق کرتا تھا ایک دن بادشاہ کے کمرے میں اس لڑکے کو سوتا ہوا پا کر چند ثانیے اس کے سر کو اپنے بازو پر رکھتی ہے۔ بادشاہ کے موقع پر آ جانے پر اسے سزا کے طور پر ایک بدشکل مسخرہ سے شادی کرنے یا زہر کا پیالہ پینے کا حکم ملتا ہے۔ بالآخر وہ زہر پی کر اپنے محبوب سے بعد از مرگ دائمی قرب حاصل کرنے کی امید پر موت کو گلے لگا لیتی ہے۔۔ یہ ایک ایسا خفقانی انداز ہے کہ یلدرم نے رومانی انداز و اسریت کے اختلاط سے ایک حسین امتزاج پیدا کر کے افسانہ کی بُنت میں دلکشی و مسحور کن پہلو پیدا کیا ہے۔ اس افسانہ کی خفقانی حقیقت نگاری تکنیک کا نمونہ ملاحظہ ہو:

"کیا اس بزمِ رفتگان میں جب صحبت مکالمہ شروع ہوئی تو میوزیم کے خدام سوئے تھے؟
اور نہ بھی سو گئے تھے تو وہ کیا کر سکتے تھے؟ اس پر اسرار گفتگو کو وہ سمجھ سکتے تھے اور اس

میں کیا مداخلت کر سکتے تھے؟اس تاریکی میں مجھے معلوم ہوا کہ کئی جسموں میں حرکت ہوئی۔ گفتگوئیں شروع ہوئیں مجھے ایک بڑا ہاتھ بڑے دروازے تک کھینچ لے گیا۔ میں اس صندوق تک پہنچی جسے میں نے دن میں دیکھا تھا۔اس میں سے اک آواز آہستہ آہستہ نکلی جو کہہ رہی تھی "میرا نام لکریشیا ہے۔"(3)

،عصمت چغتائی کے افسانوں میں "تھوڑی سی پاگل "چھوٹی آپااور باندی اس تکنیک کی ذیل میں آتے ہیں ان کا افسانہ "باندی" اس تکنیک کے حوالے سے اپنی مثال آپ ہے۔ اس میں نوابوں، وڈیروں کے روایات میں ایک قبیح رسم پر روشنی ڈالی گ ءی ہے جو کہ ترقی پسند فکر کا پرتو لیے ہے۔اس میں عورتوں کے رمان، احساسات، جذبات اور خوابوں کے بکھرنے کا ایک منفرد انداز میں بیان ہے۔اس افسانہ کا مرکزی کردار "چھمن میاں" ایک نوجوان نواب زادہ جو دیگر غیر نصابی سر گرمیوں کے علاوہ کرکٹ سے دلچسپی رکھتا ہے اور نوابوں کے باندیاں رکھنے کی رسم کا شدت سے مخالف اور فقط منکوحہ رشتہ چاہتا ہے اس کے کمرے میں ہر رات ایک باندی بھیجی جاتی ہے لیکن وہ توجہ نہیں کرتا۔ آخر کار ایک باندی "حلیمہ" ان کے دل کو بھانے پر اختلاط کی بدولت حاملہ ہو جاتی ہے اور آبا کی رواءت کو توڑتے ہوئے نکاح کرنے کا خواہش مند ہونے پر شدید ردعمل حتکہ عاق نامہ کا سامنا کرتا ہے۔اس کی محبوب باندی حلیمہ کو اپنے طبقہ کی عورتوں کے حویلی سے وابستہ قصے اچھی طرح از بر ہیں جن کی وجہ اضطراب وخفقان کا شکار ہوتی ہے اس میں خفقانی حقیقت نگاری کے عناصر کو بروءے کار لاتے ہوئے افسانہ نگار نے عورت کی بے بسی وبے کسی وکسمپرسی اور حقوق کی پامالی جو ژونگ کے اجتماعی لاشعور کے حوالے سے نسل در نسل اس اعلیٰ طبقہ کی میراث کے طور پر بتائی گئی ہے۔اس افسانہ میں تاریخیت، سماجیت، روایت، فنتاسی اور علاقیت بدرجہ اتم موجود ہے اور نفسیاتی حالات کا بیان بھی ہے۔اس افسانہ کا اقتباس ملاحظہ ہو:

"وہ اس کی قبر پر ایک دن پھول چڑھا کر فاتحہ پڑھنے گئی تھی۔ قبر کہیں سے بھی پھٹی نہ تھی کیا صنوبر تڑپتی نہ ہو گی درد سے؟ اُٹھی تو اس کی قبر کے پاس پولی زمین پر پیر دھنس گیا تھا۔ جسے ٹھنڈی ٹھنڈی انگلیوں نے اسکا ٹخنہ پکڑ کر گھسیٹا ہو۔ اسے بخار چڑھ آیا تھا ڈر کے مارے جیسے بلا آرہی ہو۔"(4)

،کرشن چندر، کے افسانوں میں "غالیچہ "کالو بھنگی "ان داتا اور شہزادہ میں زیر بحث تکنیک کے عناصر موجود ہیں۔ان کا افسانہ "شہزادہ" میں عورت کے ٹھکراءے جانے کی بدولت عورت کی نفسیاتی الجھنوں کو خفقانی انداز میں بیان کیا گیا ہے راجندر سنگھ بیدی اور منٹو منٹو کا افسانہ "فرشتہ" جو کہ ان کے افسانوی مجموعہ "پھندنے" میں ہے۔اس افسانہ میں علامتی و تجریدی انداز ہونے کے ساتھ خفقانی حقیقت نگاری کے عناصر سے بھرپور ہے۔اس افسانہ کا مرکزی کردار عطاءاللہ ہے جو بیمار ہو کر اسپتال میں داخل ہے اور اس کو اپنی موت کا یقین ہو جاتا ہے اس دوران اس کو کئی طرح کے خفقان ہوتے ہیں اور اسی دوران اس کو ایک منتشر خیالات کا حامل خواب نظر آتا ہے۔ وہ ہسپتال سے بھاگ کر گھر پہنچ کر اپنی بیوی اور بچوں کو اپنے ہاتھ کا بنا نباتاتی زہر دینا چاہتا ہے۔بیوی گھر پر موجود نہیں اور اس کے شفیق ونرم گفتار کے حامل ڈاکٹر کے پاس ہوتی ہے۔اس کی عدم موجودگی میں بچوں کو زہر دے کر موت کے گھاٹ اتار دیتا ہے۔ واپسی ہسپتال سے گزرتے ہوئے راستے میں اسے اپنے کئی ہمشکل افراد ملتے ہیں۔بچوں کے قتل سے پہلے اپنا ننگ دھڑنگ وجود جو بچوں اور بیوی کے قتل پر اکساتا دکھاءی دیتا ہے وہ واپس ہسپتال پہنچ کر ڈاکٹر سے اپنی بیوی کو زہر کا انجکشن لگانے کا کہتا ہے لیکن اس کی باری آنے پر ڈاکٹر انجکشن کی عدم دستیابی کا کہتا ہے تب ڈاکٹر کو مزید انجکشن لانے کا کہہ کر خود بستر پر آنکھیں موندلیتا ہے۔ یہ تمام حالت دراصل اس مریض کی نزع کی حالت طاری ہونے پر خفقانی صورتِ حال پیدا کرتی ہے اور اس کے لاشعور میں بچوں کا بھوک سے بلک بلک کر مرنا اور اپنی موت کے بعد بیوی کا مبادا ناجائز تعلقات میں مجبوری کی وجہ سے پڑ جانا

ہوتا ہے اور یہ خفقانی حقیقت نگاری کے انداز میں افسانہ بیان ہوا ہے اسی دوران اس کو موت کا فرشتہ دکھائی دیتا ہے اس افسانہ کا اقتباس ملاحظہ ہو:

> ”مگر جب اس نے آنکھیں کھولیں تو کہرا غائب تھا۔ وہ دیو ہیکل بت بھی۔ اس کا سارا جسم پسینے سے شرابور تھا اور برف کی طرح ٹھنڈا۔ مگر اس مقام پر جہاں اس کا دل تھا ایک آگ سی لگی ہوئی تھی۔ اس آگ میں۔۔۔ اس کی بیوی اور بچوں کی ہڈیاں چیخ رہی تھیں۔‘(5)

ان چند افسانہ نگاروں کے علاوہ ہر ادبی تحریک سے وابستہ افسانہ نگاروں کے فن پاروں کا بغور جائزہ لیں تو بیانیہ کی اس تکنیک ”خفقانی حقیقت نگاری“ کے عناصر بدرجہ اتم موجود ہیں۔

اس طرح اردو کے شعرا کے ہاں بھی خفقانی حقیقت نگاری کے عناصر پائے جاتے ہیں۔ اردو شعرا کے ہاں اس تکنیک کو بطور تکنیک تو استعمال نہیں کیا گیا البتہ ان کے کلام میں اس تکنیک کے آلات کو بڑے شد و مد سے بروئے کار لایا گیا ہے۔ اس ضمن میں سب سے پہلے مرزا نوشہ کا شعر بطور خاص رقم کیا جارہا ہے۔

اسد اللہ خان غالبؔ کے ہاں زیر بحث تکنیک کے پہلے لفظ خفقان کو ذیل شعر میں عمدگی کے ساتھ برتا گیا ہے:

باغ پا کر خفقانی یہ ڈراتا ہے مجھے

سایۂ شاخ گل افعی نظر آتا ہے مجھے(6)

غالب کی شاعری میں ایک مخصوص انداز بالا شعر میں منعکس ہوا ہے اور اس میں اکیسویں صدی کے حالات اور مروجہ انداز بیان سے پیدا شدہ انداز نظر پر مضبوط گرفت نظر آتی ہے جو اس تکنیک کے اہم ٹول "عصریت" کی عکاس بھی ہے غالب کی تفہیم جیسا کہ ایک مشکل کام ہے کیونکہ غالب کے ہاں متنوع موضوعات، معنی آفرینی، فلسفیانہ ابحاث اور گہرا سائنسی شعور موجود ہے۔ اس ایک شعر کی بدولت غالب کی نفسیاتی فکر کا احاطہ ممکن نہیں ہے۔ بقول ڈاکٹر سلیم اختر:

”اگرچہ یہ شعر واضح طور پر کسی مخصوص نفسی خوف (Phobia) یا ذہنی التباسات (Hallucinations) کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ لیکن محض اس ایک شعر کی بنیاد پر غالب کو ذہنی مریض قرار دیا جاسکتا ہے؟ ظاہر ہے کہ نہیں۔“(7)

اے شوق نہ پوچھ کیے حالت دل مضطر کی

ہوتا ہے مسیحا کو خفقان ارے توبہ(8)

سید ریاست حسین رضوی جو کہ بہرائچ انڈیا میں مدفون ہیں۔ ان کی شہرت کی وجہ ان کا مزاحیہ کلام اور ادبی دنیا میں شوق بہرائچی کے نام سے یاد کیے جاتے ہے انہوں نے خفقان کو بڑے انوکھے انداز سے اس شعر میں برتا ہے۔

مرزا شوق لکھنوی کا اس تناظر میں ایک خوبصورت شعر ملاحظہ ہو:

شہر میں لوگ روز مرتے ہیں

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.8 No.2 2024

خفقان اس کا کوئی کرتے ہیں(۹)

ڈاکٹر علامہ اقبالؒ کا شعر ملاحظہ ہو:

مجموعہ اضداد ہے اقبال نہیں ہے

دل دفتر حکمت ہے طبیعت خفقان(۱۰)

اقبالؒ جو ایک قومیت سے بالاتر ہو کر ایک امت کا پرچار کرنے والا شاعر تھا اور مسلمانوں کے تابناک ماضی کو حال میں نوجوانوں کو جگانے کے لیے استعمال کیا اور معاشرتی، سیاسی، تمدنی خرافاتوں پر بھی اور اصلاحی انداز میں اپنی فکر کو اشعار میں منعکس کیا ہے۔ اقبال کی بانگِ درا میں شامل نظم "زہد ورندی" میں ایک منفرد انداز میں اپنے عقائد کو واضح کرتے ہوئے ان نقصانات کی طرف بھی اشارہ کیا ہے جو ملائیت اور رہبانیت یا پاپائیت کی پیداوار ہے اس میں ایک مولوی اور ایک وسیع المشرب مسلمان کا عملی کردار ہے اور مولوی تعصب کی عینک سے ہی دیکھتا ہے اسی وجہ سے اسے حقیقت دھندلی نظر آتی ہے اور اکثر اوقات راہ راست سے بھٹک جاتا ہے۔ اس شعر میں کہتا ہے کہ مجھے تو ایسے لگتا ہے کہ اقبال اضداد کا مجموعہ ہے۔ یعنی اس کا دل حکمت کا اور دانش کا خزانہ ہے جب طبیعت میں خفقان کے آثار نظر آتے ہیں جو اس کو مختلف وساوس میں مبتلا کیے رکھتے ہیں جن کا حقیقت سے کوئی تعلق نہیں ہوتا۔

اعظم جلال آبادی کا شعر خفقان کے متعلق ملاحظہ ہو۔

خانہ خراب عشق نے دنیا سے کھو دیا

اس پر آج تک وہی خفقان سر میں ہے(۱۱)

دور حاضر کے شاعر اختر عثمان کے اس شعر میں خفقانی حقیقت نگاری کا خفی پہلو ملاحظہ ہو:

ایک بجو کا سرکشت تمنا ناچند

خود بکھر جائے گا اس فعل کے سر ہونے تک(۱۲)

ان اردو شعرا کے علاوہ کئی شعرائے اردو نے خفقان کو بطور لفظ اپنے کلام میں استعمال کیا ہے اور اگر ان کے اس مکمل شعر کو اسی نظم یا غزل کے ساتھ پس منظر میں دیکھیں تو اس خفقان کو حقیقت کے طور پر پیش کرنے کا یقین پایا جاتا ہے۔ اور ان شعرا کے ہاں عصریت، سیاسی انتقاد، اساطیری پہلو جیسے خفقانی حقیقت نگاری جملہ عناصر ان کے کلام میں سموئے ہوئے ہے۔ اردو ادب چونکہ ایک خزینۂ علم و معانی ہے لیکن اردو کے جدید اسلوب کو موجودہ دور میں دیکھا جائے تو اس دور کے تمام اسلوب اور جدید تکنیک ہائے موجود ہیں۔ غالب اور اقبال جیسے عظیم شعرا کے کلام کی قرات کرنے پر ایسے محسوس ہوتا ہے کہ وہ آج کے دور کی بات کر رہے ہیں جب کہ ان کو داغ مفارقت دیے ہوئے بالترتیب ڈیڑھ صدی اور تقریباً ایک صدی ہو چکی ہے۔ اسی طرح اگر ہم اردو فکشن کا عمیق نظری سے مطالعہ کریں تو جو یورپی ادب کے اسلوب و تکنیکیں آج مستعمل ہو رہی ہیں چاہے جدیدیت یا مابعد جدیدیت کے بطن سے جنم لینے والی ہوں ان کے عناصر و لوازمات لازمی مل جائیں گے کیونکہ برصغیر کی تاریخ میں، سماجیات و عمرانیات، ثقافت میں، اور زمانے کی شکست وریخت کی وجہ سے لایعنیت کسی نہ کسی سطح پر موجود رہی

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.8 No.2 2024

ہے۔ محولہ بالا شعرا کے علاوہ بھی متعدد شعرا کے ہاں خفقانی حقیقت نگاری کے عناصر کو عمدگی سے برتا گیا ہے اور ان خفقانوں کو قاری حقیقت سمجھنے پر مجبور ہے۔ ان شعرا میں شیخ ابراہیم ذوق، وزیر علی صبا لکھنوی، میر کلو عرش، یونس غازی، منیر نیازی، حبیب جالب، ناصر کاظمی، اختر عثمان اور دیگر شعرا نے خفقانی حقیقت نگاری کا عمدگی سے حقیقی معنوں میں اظہار کیا ہے۔

## حوالہ جات


1۔ http://www.Jstor.org/stable/24953969, Ronald K. Siegel, Hallucination Gernaral Article, American scientific, 1977, 377

2۔ ہارپر، Coollines Esgeutial English Dictionary، گلاسکو (برطانیہ): کولنز پبلی کیشنز، ۲۰۰۳ء، ص ۳۴۰

3۔ محمد عاصم بٹ، سجاد حیدر یلدرم کے بے مثال افسانے، الحمد پبلی کیشنز، لاہور، 2018ء، ص 73

4۔ عصمت چغتائی، عصمت چغتائی کے افسانے، کتابی دنیا، دہلی، 2006ء، ص 152

5۔ سعادت حسن منٹو، پھندنے، ساقی بک ڈپو، دہلی، 1991ء، ص 23

6۔ سید علی حیدر صاحب نظم طباطبائی، شرح دیوان غالب، رضوی پرنٹس، حیدر آباد س ن، ص 246

7۔ ڈاکٹر سلیم اختر، شعور اور لاشعور کا شاعر غالب، فیروز سنز، کراچی، س ن، ص 10

8۔ عرفان عباس، کلام شوق بہرائچی، (مرتبہ)، اترپردیش اردو اکیڈمی، 2009ء، ص 57

9۔ عطیہ نشاط، کلام مرزا شوق لکھنوی، (مرتبہ)، رام نارائن لال ارون کمال پبلشرز، الٰہ آباد، 1999ء، ص 41

10۔ ڈاکٹر علامہ محمد اقبال، کلیاتِ اقبال، خزینہ علم و ادب، لاہور، 2002ء، ص 77

11۔ اعظم جلال آبادی، کلیات اعظم، ارون کمار نول پبلشنگ دہلی، دسمبر 1979ء، ص 209

12۔ اختر عثمان، چراغ زار، رومیل پبلی کیشنز ہاؤس، راولپنڈی، 2017ء، ص 92